[stamp]

# مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ
## قرونِ اولیٰ میں
(۲)

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم کو لفظِ اسلام پر غور کرنا چاہیے۔ اسلام کا مادہ سِلم ہے، جس کے معنی صلح، مصالحت اور انقیاد و اطاعت ہیں۔ عرب کے دور قبل از اسلام کو جو عہد جاہلیت کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں "جہل" یا "جہالت" کا لفظ بردباری اور حلم کے بالمقابل مستعمل ہوتا ہے۔ اس زمانہ کے عرب بات بات پر لڑتے تھے۔ لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لیے موجب ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اور انتقام لینے میں اس قدر متشدد اور سخت گیر واقع ہوئے تھے کہ برسہا برس تک اس کو فراموش نہ کرتے تھے۔ قبائلی عصبیت کے احترام کو محفوظ رکھنے کے لیے جان دیدینا اُن کے اعتقاد میں شرف و مجد کا تقاضا تھا۔ اسلام آیا تو اُس نے ان سب تعصبات کو مٹانے کی تلقین کی اور قبائلی عصبیت یا وطنی و ملکی تعصب کی جگہ انسانی وحدتِ اجتماعی کی روح پیدا کی۔ اُس نے بتایا کہ انسان انسان سب برابر ہیں کسی کو کسی دوسرے پر محض نسبی امتیاز یا وطنی خصوصیت کی بنا پر تفوق نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے صاف و صریح اعلان کیا :-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ تم میں سب سے بڑا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرتِ ابوذر غفاری نے کسی شخص کو اس کی ماں کا طعنہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی، تو فرمایا اے ابوذر تجھ میں اب تک جاہلیت کی خوبو پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ اور اللہ کے وہ بندے جو زمین پر حلم اور بردباری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل اُن کو خطاب کرتے ہیں تو وہ اُن کی طرح جہالت کی بات نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں" ایک اور موقع پر فرمایا گیا "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ تم سب برابر ہو" یہ اسلام کی عام تعلیم تھی، جس کے ذریعہ اُس نے لوگوں میں اخوت انسانی کا جذبہ کامل پیدا کیا۔ وہ مسلمانوں کو غیر قوموں سے نفرت کرنا، اُنھیں حقیر سمجھنا اور اُن کے محسوسات سے بے توجہی برتنا نہیں سکھاتا بلکہ اس کے برخلاف انہیں دعوت دیتا ہے کہ غیر قوموں کے انسانی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُنہیں حق کی طرف بلاؤ۔ اور سچائی کا راستہ دکھاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور ابو موسےٰ اشعری کو یمن میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تو اُنہیں ہدایت فرمائی۔ "لوگوں کو اچھی اچھی باتیں سُنانا، نفرت نہ دلانا، سہولت اور آسانی کرنا، سختی اور تشدد کے ساتھ پیش نہ آنا"۔

قرآن مجید میں خود ہدایت کی گئی ہے کہ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ تم اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جامع فضائل و کمالات کون ہوسکتا ہے لیکن آپ کے متعلق بھی صاف طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

غیر قوم کے لوگوں سے حُسنِ معاملت و معاشرت کے ساتھ پیش آنے کی اس تعلیم کے علاوہ

مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ انہیں کسی شخص کی بات کے قبول کرنے سے محض اس لیے انکار نہ ہونا چاہیے کہ اس کو ایک غیر ملک و قوم کے آدمی نے کہا ہے. بلکہ راست دلی کے ساتھ اس پر غور کرنا چاہیے کہ فی الواقع وہ بات کیسی ہے؟ اگر وہ اچھی بات ہے، اور فلاح وخیر کا باعث ہو تو اس کو فوراً قبول کرلینا چاہیے ورنہ نہ صرف یہ کہ خود اُس کو قبول نہ کریں بلکہ جو لوگ اُس پر عامل ہیں اُن کو بھی اُس کی ہلاکتوں اور تباہیوں سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بہر حال اسلام کسی قوم کی روایات کلچر اور قوانینِ معاشرت سے تعصب برتنے کا قائل نہیں ہے۔ اُس نے اصولی اعتبار سے انسانی زندگی کے لیے ایک مکمل لائحہ عمل پیش کیا ہے لیکن تمدن کی تعمیر میں وقتی طور پر جو جزئی ضروریات پیش آجاتی ہیں۔ اُن کی تکمیل کے لیے اگر مسلمانوں کو کسی قوم کی کوئی اصلاحی کوشش اچھی معلوم ہو تو اُس کو بے تکلف اختیار کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلام کی کسی اصل سے متصادم ہو کر اُس کی حقیقی روح کے خلاف نہ ہو۔ صحیح حدیث ہے الحکمة ضالة المومن فحیث وجدها فهو احق بها[1]۔ حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں کہیں ملے اُس کو حاصل کرلینا چاہیے کیونکہ وہی اُس کا زیادہ حق دار ہے۔

ایک اور حدیث ہے جس کو محدثین نے حسن کہا ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم[2] علم طلب کرو، اگرچہ وہ چین میں ہو۔ کیونکہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمنت مہد میں غنیمت میں جو مال آتا تھا اُسی وقت تقسیم ہو جاتا تھا۔ اور بیت المال سے سالانہ عطیہ و وظیفہ کے مقرر ہونے کی نوبت ہی نہ آئی تھی آپ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ آیا، مگر وہ اتنا مختصر تھا کہ اُس میں کوئی دفتری اصلاح نہ ہوسکی

[1] رواہ الترمذی عن ابی ہریرہ۔ [2] رواہ العقیلی وابن عدی والبیہقی وابن عبدالبر عن انس۔

پھر جب حضرت عمر کے عہد میں عراق و شام فتح ہوئے۔ اور اموالِ غنیمت کے انبار لگ گئے۔ تو اب ضرورت محسوس ہوئی کہ باقاعدہ رجسٹر بنائے جائیں اور ہر ایک کو اس کے مرتبہ و اہلیت کے مطابق وظائف تقسیم کیے جائیں۔ حضرت عمر کو اول تو مال کی کثرت دیکھ کر اتنا تعجب ہوا کہ اُس کا یقین ہی نہ کرسکے۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ بحرین سے آنے کے بعد میں حضرت عمر کی خدمت میں عشار کے وقت حاضر ہوا، جاتے ہی سلام کیا۔ حضرت عمر نے لوگوں کا حال پوچھا۔ میں جواب دیتا رہا۔ پھر دریافت فرمایا۔ کیا لائے ہو؟" میں نے عرض کیا "پانچ لاکھ" فرمایا کچھ جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے پھر وہی کہا "پانچ لاکھ" حضرت عمر نے اس مرتبہ بھی وہی فرمایا۔ میں نے اپنی ایک ایک انگلی کو کھول کھول کر کہا کہ یہ ایک لاکھ، یہ ایک لاکھ۔ اسی طرح پانچوں انگلیاں کھول دیں اور کہا کہ یہ پانچ لاکھ ہوئے حضرت عمر کو اس دفعہ بھی یقین نہیں آیا۔ اور فرمایا کہ سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو؟ اچھا اب جاؤ اور صبح کو پھر آنا۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ صبح کو میں حاضر خدمت ہوا۔ تو حضرتِ عمر نے پھر وہی سوال کیا اور میں نے وہی جواب دیا۔ اب دریافت کیا کہ یہ مال درست اور طیب بھی ہے؟ ابوہریرہ نے کہا "میں تو یہی جانتا ہوں"۔ اس کے بعد حضرت عمر نے لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا۔ "ہمارے پاس بہت مال آیا ہے، اب تم بتاؤ میں اس کو تول تول کر تم پر تقسیم کروں یا اُس کو اندازہ سے دے دوں ایک شخص بولا۔

یا امیر المومنین انی قد رأیت ھٰؤلاء الاعاجم یدوّنون دیواناً یعطون الناس علیہ۔ اے امیر المومنین! میں نے ان عجمیوں کو دیکھا ہے کہ یہ دفتر بناتے ہیں اور اُس کے مطابق لوگوں کو دیتے ہیں۔

حضرت عمر نے اس تجویز کو شرف قبول عطا فرمایا، اور دفتروں کی ترتیب کا حکم دے دیا۔[1]

مسلمانوں کی اسی بے تعصب ذہنیت کا نتیجہ تھا کہ وہ جس کسی ملک میں گئے، اور وہاں کوئی

[1] فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر ص ۴۵۸

بات اچھی نظر آئی۔ اُنہوں نے اس کو بے تکلف اختیار کرلیا۔ سنہ ۴۴ھ میں حضرت معاویہ برسرِ خلافت تھے آپ نے مہلب بن ابی صفرہ کی زیرِ قیادت ایک لشکرِ جرار سندھ پر فوج کشی کے لیے روانہ کیا۔ قیقان پہنچ کر مہلب نے اٹھارہ ترکی سوار دیکھے جن کے گھوڑوں کی دُمیں کٹی ہوئی تھیں (فوجی گھوڑوں کی عموماً دُمیں کاٹ دی جاتی ہیں اور غالباً اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ گھوڑے جنگ کے موقع پر چست و چالاک رہیں۔ اور لانبی دم میں اُلجھ کر گر جانے کے خوف سے مامون ہو جائیں) مہلب نے کہا۔

ما جعل ھؤلاء الاعاجم ادنیٰ بالتشمیر ان عجمیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا یہ چستی و چالاکی کے لیے ہم سے زیادہ مستحق ہیں۔

منّا[1]

یہ کہہ کر اُنہوں نے سب گھوڑوں کی دُمیں کٹوا دیں۔ بلاذری کہتے ہیں کہ مہلب مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کی دُمیں کٹوائیں[2]۔

مہلب کے زورِ الفاظ پر غور کیجیے۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اچھی چیز کا حاصل کرنا مسلمان کا اپنا ذاتی حق ہے۔ اُس کو حاصل کرنے کی راہ میں کسی قوم کی بیگانگت اور اجنبیت رُکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ مسلمان کا طغرائے امتیاز عدل ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اُس کی جگہ میں رکھنا یعنی تحقیق کی نظر سے کسی شے کی حقیقت کو دیکھنا۔ اور پھر اگر اچھی ہو تو اُسے اچھی کہنا، اور بُری ہو تو اُس سے اجتناب و احتراز کرنا عدل کے بالمقابل ظلم کا لفظ ہے جس کی تعریف ہے وضع الشیٔ فی غیر محلہٖ یعنی کسی چیز کو اُس کے مرتبہ میں نہ رکھنا۔ اس تعریف کے بموجب جس طرح ایک ناکردہ گناہ انسان کو سزا دینا ظلم ہے۔ ایک واقعی مجرم و خطاکار کو یونہی معاف کر دینا بھی ظلم ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر امر فرمایا گیا ہے کہ عدل و انصاف کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کی دشمنی اور بغض تم کو عدل کے راستہ سے منحرف کر دے

---

[1] بعض لوگوں نے اس کو "تشمیر" پڑھا ہے جس کے معنی چست و چالاک ہو جانے کے ہیں۔ اور "تمشیر" کے معنی پُر از نشاط ہونا ہے۔

[2] فتوح البلدان بلاذری باب فتوح السندھ۔ ۵۴

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا - پھر فرمایا جاتا ہے۔

اِعْدِلُوْا، ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی عدل کرو، یہ عدل ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

ان اللّٰہ یأمرکم بالعدل والاحسان تحقیق اللہ عدل اور احسان کا حکم کرتا ہے۔

پھر اسی آیت میں آگے چل کر ہے:۔

وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی اور منع کرتا ہے (اللہ) بیہودہ اور ناپسندیدہ باتوں سے اور حد سے تجاوز کرنے سے

یہاں ظلم کے مفہوم کو بغی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اچھی چیز کو برا کہنا اور بری شے کو اچھا سمجھنا حد سے تجاوز کرنا (بغی) ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

لقد شقیت ان لم اعدل میں البتہ شقی ہونگا اگر عدل نہیں کرونگا۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی چیز کو اختیار کرنے سے قبل اُسے خوب اچھی طرح پرکھ لینا اور میزان عقل میں تول لینا چاہیے۔ اور اُس کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر اُس کے ترک و اختیار کی نسبت کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ اور جس چیز کا تم کو علم نہیں ہے۔ اُس کا اتباع مت کرو۔ کان، وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے اُس کے متعلق سوال ہوگا۔

حضرت معاویہ کے متعلق مشہور ہے کہ اہل عجم کی کہانیاں بڑے شوق سے سُنتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے خلافت کے نظم و نسق، اور ملک کے اہتمام و انتظام میں جو بعض جدتیں کی تھیں اُن میں ایران کا اثر نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسلام نے اپنے پیرووں میں بے تعصب ذہنیت نہ پیدا کی ہوتی تو حضرت معاویہ ایسے "عربیت" کے ساتھ شدید تعصب رکھنے والے بزرگ کو اس طرح کی جدت

در غبت نہ ہوتی۔

ایک طرف اسلام کی اس تعلیم کو سامنے رکھیے، اور دوسری جانب اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کیجیے کہ اسلام دنیا میں حق کا آخری پیغام ہے۔ اور اُس کا منشا یہ ہے کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں اُن کو ہدایت کی شمع ربانی دکھا کر کامیابی کی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا چاہیے پس ظاہر ہے کہ یہ مقصد اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ غیر مسلموں کے ساتھ میل جول میں اور اختلاط وارتباط میں علیحدگی نہ برتی جائے اور اُن سے چھوت چھات کا کوئی معاملہ نہ کیا جائے۔

جب کوئی قوم کسی ملک میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوتی ہے تو طبعی طور پر اُس میں ایک طرح کا پندار تفوق اور احساس برتری ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ مفتوح قوم کے افراد کے ساتھ معاشرت میں، معاملات میں اور روزمرہ کے معمولاتِ زندگی میں تحقیر و تذلیل کا برتاؤ کرتی ہے لیکن اسلام میں یہ انتہائی معیوب بات اور شدید ترین معصیت ہے کہ کوئی ایک شخص دنیوی برتری کے باعث کسی دوسرے بندۂ خدا کو حقیر سمجھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ. | اپنے گالوں کو لوگوں کے سامنے پھلاؤ مت، اور زمین پراکڑ کے مت چلو۔ اللہ تعالیٰ کسی متکبر اور گھمنڈ کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ |

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ | اے ایمان والو کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹول نہ کرے ممکن ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ |

فاتحانہ شان کے ساتھ الگ تھلگ رہنا اور مفتوح اقوام کے ساتھ استحقار کا معاملہ برتنا کجا، حکم دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ میل جول رکھنا چاہیے تاکہ آپ اپنے اخلاق فاضلہ اور اسلامی عادات

کے سبب اُن کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اور پھر آپ کے لیے تبلیغ کلمۂ حق، اور ارشاد وہدایت کی راہیں خود بخود کھل سکیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

اور اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں۔ تم ایسی ترکیب سے مدافعت کرو جو بہترین ہو تو پھر جس سے تمہاری دشمنی ہے وہ بھی پکا دوست ہو جائیگا۔

اسلامی کیرکٹر کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ لوگوں کو چھل فریب کرنا اور آج کل کی ڈپلومیسی پر عمل کرنا نہیں سکھاتا۔ اُس کی دوستی اور دشمنی دونوں سورج کی طرح روشن اور عیاں ہوتی ہیں وہ جس کا دوست ہے دل وجان سے اُس کے حق دوستی کو ادا کرنے کا عہد وپیمان بھی کرتا ہے اور اُس کو تمام رکاوٹوں کے باوجود سچائی کے ساتھ نباہتا ہے۔ اور اگر وہ کسی کا دشمن ہے تو کھلا ہوا، برملا اور علانیہ دشمن ہے۔ وہ جنگ کرتا ہے مگر بہادر اور شریف انسانوں کی طرح، بزدلوں، کمینہ فطرت اور ذلیل انسانوں کی طرح دوستی کا اظہار کرکے دشمن کو زیر کرنے کی فکر میں لگا رہنا اُس کی فطرت سے بہت بعید ہے۔

کسی ملک کے فتح ہو جانے کے بعد جب امن وامان قائم ہو جائے، اور مفتوح اقوام مسلمانوں کی سیادت کو تسلیم کرلیں تو اب وہ سب پرانے دشمنانِ خونخوار مسلمانوں کے دوست ہو جاتے ہیں۔ اسلامی حکومت اُن کو اپنے ذمۂ حفاظت کی پناہ میں لے لیتی ہے۔ یہ سب لوگ اسی بنا پر ذمی کہلاتے ہیں غیروں کو اپنانے کی مثال اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ اُن سب کو برملا یہ خوشخبری سُنا دی جاتی ہے کہ "جو حقوق ہمارے ہیں وہی تمہارے بھی ہیں اور جو چیزیں ہم پر واجب ہیں تم پر بھی ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ اٰذٰی ذِمِّیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ — جس شخص نے کسی ذمی کو تکلیف دی اُس نے مجھ کو تکلیف دی۔

ایک اور روایت میں ارشاد ہوتا ہے:-

مَنْ اٰذٰی ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُہٗ وَمَنْ کُنْتُ — جو شخص کسی ذمی کو تکلیف پہنچائیگا میں اُس سے جھگڑا کرونگا اور

خصمتہٗ خَصَمْتُہٗ یوم القیامۃ جس سے میں جھگڑا کرونگا قیامت میں میں اُس پر غالب آجاؤنگا۔

قبطیانِ مصر جو کہ نصاریٰ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے متعلق حکم فرمایا تھا۔

اِذا فتحتم مصر فاستوصوا باھلھا جب تم لوگ مصر فتح کرو تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ بھلائی کا معا

خیراً فان لکم منہا صہراً و ذمۃ[1] کرنا۔ کیونکہ اُن سے تمہارے سسرالی اور عہد پیمان کے تعلقات ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اُسامہ کی زیر قیادت شام کی مہم پر لشکر بھیجا تو اُنہیں صاف لفظو

میں نصیحت کی :-

لا تخونوا ولا تغدروا ولا تغلوا تم خیانت نہ کرنا، غدر اور فریب نہ دینا اور غنیمت میں بددیانتی نہ کرنا۔

پھر آگے چل کر فرمایا۔

وسوف تمرون باقوامٍ قد فرغوا اور تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جنہوں نے اپنے آپ کو

انفسہم فی الصوامع فدعوھم وما فرغوا گرجوں میں بند کر رکھا ہے، تو تم اُنہیں اور جس کے لیے اُنہوں نے

انفسہم لہٗ ایسا کیا ہے اُسے، دونوں کو چھوڑ دو۔

مسلمانوں کے یہی وہ اخلاقِ فاضلہ تھے جن کی بدولت اُنہوں نے جہاں کہیں گئے اقوام کے دلوں کو فتح کرلیا۔ اور اُن کی تمام توجہات و عنایات کو اپنے اندر جذب کرلیا۔

محمد بن قاسم جس نے سندھ کی حکومت کو زیر و زبر کرکے رکھ دیا جب سندھ سے واپس ہونے لگا تو یہاں کے لوگوں کو اُس کی جدائی کا بیحد افسوس ہوا، اور اُس کی رخصت کے وقت یہ سب لوگ زار زار روئے۔ یہاں تک کہ مقام کیرج میں اُنہوں نے محمد بن قاسم کا ایک اسٹیچو بنا کر رکھا[2]

بیان بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلامی تعلیم کی رو سے غیر قوموں کے ساتھ ملنے کے وقت مسلم

[1] الاسلام روح المدنیۃ۔ ص ۱۲۱۔ [2] فتوح البلدان بلاذری۔ باب فتوح السندہ

کو حسب ذیل امور کی رعایت کرنی چاہیے۔

(۱) مسلمانوں کو غیروں کے ساتھ فاتحانہ تمکنت و غرور کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) بلکہ اُن کے ساتھ بے تکلف معاشرت رکھنی چاہیے۔

(۳) غیر قوموں میں جو نقائص ہیں حسن تدبیر سے اُن کی اصلاح کرنی چاہیے۔

(۴) غیر قوموں کے ساتھ سچائی۔ صفائی باطنی اور حسن اخلاق کا معاملہ کرنا چاہیے۔

(۵) غیر قوموں میں اگر کچھ اچھی چیزیں پائی جائیں جن سے معاشرت، معیشت اور عام اجتماعی و تمدنی معاملات میں مدد مل سکے اور وہ اسلام کی کسی اصل کے خلاف بھی نہ ہوں اُن کو قبول کر لینا چاہیے۔

(۶) کسی معاملہ میں بیجا تعصب اور تنگ نظری کو دخل نہ دینا چاہیے بلکہ ہر شے کے حسن و قبح کو اچھی طرح میزان عدل و عقل میں تول کر اُس کی نسبت کوئی فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

اب آیئے دیکھیں مسلمان ان تعلیمات کو لیے ہوئے غیر ملکوں میں گئے تو تاریخی اعتبار سے اُس کے کیا نتائج ہوئے۔ انہوں نے دوسروں کو کس قدر اپنے رنگ میں رنگا اور خود انہوں نے اپنے تمدن کی تعمیر کے لیے کس کس ملک سے خشت و سنگ فراہم کیے۔